تحریکِ اسلامی کی شناخت

(از سید اسعد گیلانی صاحب)

بنی نوع انسان کے لیے امن وسکون اور فوز و فلاح کا واحد راستہ اللہ کا دیا ہوا نظام زندگی ہے جب فلاحِ انسانیت کا یہ نظام قائم نہ ہو اور ابنِ آدم صراطِ مستقیم سے محروم بدنصیبی کی ٹھوکریں کھا رہا ہو تو اللہ کی مشیت کسی تحریک اسلامی کے برپا ہونے کا انتظام کر دیتی ہے اور جب کوئی تحریک اسلامی کسی قوم میں اللہ کے دین کا علم لے کر اٹھتی ہے تو وہ قوم آزمائش کی میزان میں رکھ دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس تحریک کے ساتھ قوم کے طرز عمل پر ہی پھر اس قوم کے مستقبل کی درخشانی یا تاریکی کا انحصار ہو جاتا ہے۔ تحریک اسلامی کے برپا ہو جانے کے بعد اس سے بے خبری محرومی، اس سے بے نیازی بدنصیبی، اور اس کی مخالفت بدترین بدبختی ہوتی ہیں۔ اس لیے کسی قوم کے اندر مختلف اجتماعی تنظیموں کے مقابلے میں تحریک اسلامی کی شناخت انتہائی ضروری ہوتی ہے کیونکہ قوم کا اس تحریک کے ساتھ طرز عمل ہی درحقیقت اس قوم کی بلندی وپستی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ افراد کی غلطیوں سے نقصان وخسران کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ لیکن قوموں کی غلطیاں ان کے لیے عظیم خسران کا سبب بن جاتی ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
پر نہیں کرتی ہے قوموں کے گناہوں کو معاف

اس لیے تحریکِ اسلامی کی شناخت کا مسئلہ ہر قوم اور اس قوم کے ہر فرد کے لیے نہایت اہم مسئلہ ہے۔ اگرچہ کسی معاشرے میں برپا ہونے والی ایک اسلامی تحریک کی شناخت کچھ مشکل بھی نہیں ہے جس طرح تاریکی میں چمکتی ہوئی روشنی کو اور آسمان میں درخشاں چاند کو شناخت کرنا کچھ دشوار کام نہیں ہوتا ہے۔

دنیا کی تمام نفسانی تحریکوں کے مقابلے میں اسلامی تحریک ایک روحانی اور الٰہی تحریک ہے جس کے بنیادی اصول اللہ کی بھیجی ہوئی تعلیمات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ تاریخی لحاظ سے بھی انسانی معاشرے میں یہ قدیم ترین تحریک ہے۔

انسانی ضمیر اس تحریک کے عمومی خدوخال سے آگاہ، اس کے انداز بیان سے واقف اور اس کے طرز عمل سے باخبر ہے۔ اس کے برپا ہوتے ہی ہر شخص اس کی انفرادیت اور اٹھان سے فوراً اسے پہچان لیتا ہے۔ پھر یہ معاملہ توفیقِ الٰہی، فطرتِ انسانی اور افراد کی اُفتادِ طبع کے مجموعی طرز عمل پر مبنی ہوتا ہے کہ بھٹکا ہوا انسان آغوشِ مادر کی طرف لوٹتا ہے یا قسمت کے دھکے اسے کسی اور سمت دھکیل کر لے جاتے ہیں۔

دوسری تمام تحریکوں کے مقابلے میں چند پہلوؤں سے یہ تحریک امتیازی نشانات رکھتی ہے۔ کائنات کے لیے خالق کی موجودگی کا اعتراف اور اس کی بندگی کی طرف دعوت اس تحریک کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ پوری انسانیت کو چاہے وہ سفید ہو یا سیاہ، سرخ ہو یا زرد، جغرافیائی حدبندیوں سے بالاتر ہو کر آدم کے بیٹوں کی حیثیت سے یکساں سطح سے مخاطب کرتی ہے اور ان میں تخلیقی کوئی فرق نہیں کرتی۔ یہ انسان کی فطرت کی آواز ہے اور ہر انسانی معاشرے کا پاکیزہ فطرت گروہ فوراً انس و محبت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور بگڑی ہوئی فطرت والا بدکردار طبقہ اسے اپنے لیے خطرہ سمجھ کر غم و غصہ سے اس کی سرگرمیوں کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔ آج بھی انسانوں کی بستیوں اور آبادیوں میں نیکی، بھلائی اور شرافت کا جو بکھرا ہوا سرمایہ پایا جاتا ہے وہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اسی تحریک کی چھوڑی ہوئی پاکیزہ میراث ہے۔ وحدتِ انسانیت، وحدتِ کائنات اور وحدتِ الٰہ اس تحریک کا معروف نعرہ ہے۔ یہ تحریک جس قوم میں بھی برپا ہو اس میں اس کی حیثیت قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی اور دنیا کی خرابیوں کا علاج اسی کی تنظیم اور پروگرام میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ تحریک اسلامی کی تنظیم کے بارے میں دورِ حاضر کی تحریک اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے خوب کہا ہے کہ:

"دنیا کی خرابی کا علاج یہ ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے جو خدا ترس بھی ہو، راست باز اور دیانت دار بھی۔ خدا کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق سے آراستہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے حالات کو دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دنیا داری میں اپنی مہارت و قابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ بداخلاق اور بے اصول لوگوں کے لیے دنیا کی چراگاہ میں بس اسی وقت تک چر چُگ لینے کی مہلت ہے جب تک ایسا ایک گروہ تیار نہیں ہو جاتا۔ اس کی تیاری کے بعد فساق و فجار کا چراغ اس کے سامنے جل نہ سکے گا..... یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رونما ہو گا۔ لیکن جس طرح مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین

ہے اتنا ہی اس بات کا یقین بھی رہے کہ یہ انقلاب بہر حال رونما ہو کر رہے گا۔"

اب میں اس تحریک کے نمایاں ترین خدوخال ترتیب وار بیان کرتا ہوں تاکہ ایسی اہم تحریک کی شناخت کرنے میں کسی کو بھی کوئی شک وشبہ لاحق نہ ہو۔ چونکہ انسانیت کی فلاح اور خسران اس تحریک کی شناخت پر مبنی ہے۔

حاکمیت کا تصور ہر تحریک میں اہم ترین چیز اس کے اندر حاکمیت کا تصور ہوتا ہے کیونکہ ہر تحریک ایک ریاست کی تشکیل کی طرف اقدام کرتی ہے اور ایک ریاست اور نظم اجتماعی معاشرے میں حاکمیت کا تصور اس کی ساری اجتماعی زندگی تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت اور انفرادی واجتماعی کردار کی صورت گری کرتا ہے۔ اسلامی تحریک دنیا کی واحد تحریک ہے جو حقیقی طور پر اپنے خالص اور بے آمیز عقیدے سے اللہ کی حاکمیت کی علمبردار ہے۔ دنیا میں حاکمیت کے تمام تصورات میں یہ ایک انوکھا تصور ہے۔ دنیا کی تمام دوسری تحریکیں حاکمیت کو تقسیم کرتی ہیں۔ کوئی رنگ نسل قبیلہ افراد گروہ اور خاندان میں اسے محدود کرتی ہے اور کوئی کسی خاص طبقہ کے لیے اسے مخصوص کرتی ہے۔ لیکن اسلامی تحریک ہی وہ واحد تحریک ہے جو حاکمیت کو صرف خدا کے لیے وقف کرنے کا اعلان کرتی ہے اور سارے اختیارات کا سرچشمہ اسی کی ذات کو قرار دے کر بندوں کے لیے نیابت کا اصول پیش کرتی ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ	بے شک اختیار اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہے
اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ	خبردار! خلق بھی اللہ ہی کی ہے اور حکم بھی اسی کا۔

یہ وہ واضح طرز عمل اور استدلال کی بنیاد ہے جس پر اسلامی تحریک میں حاکمیت کا مسئلہ طے ہوتا ہے۔ اور اسی تصور کے اندر سے اسلامی تحریک کا نصب العین، طریق کار، پروگرام، اخلاق، نظام تربیت اور کارکنوں کے اوصاف نمودار ہوتے ہیں۔

مقام رسالت اسلامی تحریک میں حاکمیت کا مقام ایک بالاتر ذات اور مالک الملک ہستی کے حوالے ہونے کے بعد احکام کے حصول اور اطاعت کے نظام کو مربوط کرنے کا واحد ذریعہ تحریک میں رسالت کا تصور ہے۔ یعنی حقیقی بادشاہ اور حاکم اعلیٰ کا نمائندہ، جو بندوں کے مالک اور بادشاہ کا پیغام اُن تک پہنچائے۔ اُس کی مرضی سے اُن کو آگاہ کرے اور یہ بتائے کہ وہ کن باتوں سے روکتا ہے اور کن باتوں پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیتا ہے؟ اس سے آگاہی کے لیے خدا کا نمائندہ رسول ہے اور وحی والہام خدائی پیغام پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے سب سے پہلے یہ بات رسول ہی جانتا ہے کہ حاکم اعلیٰ نے کیا حکم دیا ہے اور کس بات سے منع کیا ہے۔ اور وہ اپنی رعایا سے کس طرز عمل کا طالب ہے۔ اسی کے پیش نظر رسول کی بلاچون وچرا اطاعت ایمان کے لیے شرط اوّل

ہے اور اس سے محبت اور اس پر مال و جان قربان کر دینے کا پختہ عزم ایمان کی شرائط میں شامل ہے۔ اس سلسلے میں حاکم اعلیٰ نے رسول کی بالاتر پوزیشن کو خود واضح کر دیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ — ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس لیے تحریک اسلامی کا حقیقی رہنما رسول ہی ہوتا ہے۔ اور حضور نبی کریمؐ کی وفات کے بعد بھی قیامت تک حضورؐ ہی ہر دور کی اسلامی تحریک کے حقیقی رہنما ہیں اور انہیں کے احکام اور ارشادات، طرز عمل اور اسوۂ مبارکہ کو اسلامی تحریک کے پروگرام میں حجت اور سند کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ رسول کی شخصی غیر موجودگی میں وہی شخص ایسی تحریک کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے جو خدا کے احکام اور رسول کی تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہو اور خدا اور رسولؐ کے دیے ہوئے نظام زندگی کا سب سے بہتر فہم رکھتا اور دین کی حکمت اور تدبیر کار سے آگاہ ہو۔

خلافت انسانی اسلامی تحریک میں انسان کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ حیوانات کی مختلف انواع میں سے تدریجاً ترقی کرتا ہوا بالآخر انسان بن گیا ہے بلکہ یہ ہے کہ انسان کو اول روز ہی انسان اور اشرف المخلوقات بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسے براہ راست تخلیق ربانی کے ذریعے نیکی اور بدی کا علم، ذوق ضمیر اور فطرت دے کر بھیجا گیا ہے اسے زمین پر خدا کا خلیفہ مقرر کیا گیا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ اور اس کا مقصد زندگی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے حقیقی بادشاہ کے تمام احکام کو نافذ کرے اور ساری دنیا میں ان کے نفاذ کی جدوجہد کرے۔ یہ جدوجہد ہی اس کے تئیں اس کے خالق اور مالک کا حق بندگی ہے اور اسی جدوجہد میں اس کی وفاداری اور غداری کا امتحان ہے۔

تصور مملکت اسلامی تحریک کا تصور مملکت یہ ہے کہ:

——— وہ خدا پرستانہ نظام زندگی کی علمبردار ہوتی ہے اور اس کا مقصد وجود ہی خدا پرستی کو زندگی کے تمام دائروں میں جاری و ساری کرنا ہوتا ہے۔

——— وہ شرف انسانیت پر مبنی بین الانسانی مملکت ہوتی ہے جس میں تمام انسانوں کے لیے تمام بنیادی حقوق مساوی ہوتے ہیں، اس کے ماننے والوں کے لیے بھی اور نہ ماننے والوں کے لیے بھی۔ البتہ ریاست کو چلانے کی ذمہ داری اس کے اصولوں کے ماننے والوں پر ہی فطری طور پر ڈالی جا سکتی ہے۔

——— اس کا نظام سیاست تمام تر جمہوری ہوتا ہے جس میں وہ حدود الٰہیہ کے اندر عوام کے حقوق

اور ان کی رائے کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ان کی بہبود ریاست کے اولین فرائض میں شامل ہوتی ہے۔

——— یہ کلیتہً خود مختار ریاست نہیں ہوتی بلکہ خدا کے بالاتر احکام کے تابع خلافتِ ربانی ہوتی ہے جس میں ملک کے تمام باشندے مل کر بھی الٰہی قوانین میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حیثیت حاکم مطلق کی نہیں بلکہ خلیفہ کی ہوتی ہے اور اسی طرز عمل سے اسلامی تحریک کی قائم کردہ ریاست کی جمہوریت اور مغرب کی جمہوریت میں جوہری فرق واقع ہو جاتا ہے۔

تحریک کا نصب العین ایک اسلامی تحریک کا نصب العین ہمیشہ دنیا میں اسلامی نظام کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ اس تحریک کے نزدیک انسانی زندگی کا خاتمہ قبر کے کنارے پر نہیں ہوتا بلکہ وہاں سے انسانی زندگی کا دوسرا مستقل دور شروع ہوتا ہے۔ اسلامی تحریک اپنے نصب العین کی وسعت کے اعتبار سے دنیا سے آخرت تک محیط ہے اور اس کے نصب العین کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو اطمینانِ قلبی سے بھر دیتی ہے۔

معاشرے میں تحریک کا مقام انسانی معاشرے میں اسلامی تحریک کا مقام نقطۂ اعتدال پر ہے۔ یہ گروہ اُمتِ وَسَط کہلاتا ہے۔ اپنے پروگرام، طرز عمل، کردار اور تعلیمات کے اعتبار سے یہ تحریک انسانی ضمیر کے انتہائی معتدل اور متوسط مقام پر واقع ہے۔ ہر معاشرے کے سعید فطرت افراد اس کی طرف نہایت آسانی سے کھنچ کر آ جاتے ہیں۔ جو کسی قسم کے تعصبات میں مبتلا نہیں ہوتے، نظام باطل کے چہیتے نہیں ہوتے، اپنی قوت بازو سے حلال رزق کماتے اور شریفانہ زندگی گزارتے ہیں، وہ سب نہایت آسانی سے اس کی گود میں آ جاتے ہیں۔ اسی لیے ہر نظام باطل اپنے دائرے میں ایسے افراد کا مسلسل قلع قمع کرتا رہتا ہے تاکہ اسلامی تحریک کو کارکن فراہم نہ ہو سکیں۔ لیکن تخلیق کے عمل میں باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔

جب کسی معاشرے میں کوئی اسلامی تحریک اٹھتی ہے تو اس کی مخالفت ہر طرف سے ہوتی ہے۔ انتہائی دنیادار اور بگڑے ہوئے افراد کی طرف سے اس کی مخالفت ایک فطری بات ہے۔ نظام باطل کے سربراہوں کی طرف سے حملہ ہونا بھی ناگزیر ہے۔ لیکن مذہبی طبقوں میں بھی ایک خاص تعداد اس کی مخالفت کے لیے ہمیشہ ضرور ہی نکلتی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ نظام باطل اپنے غلبے کے زور سے معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے اور جب کوئی معاشرہ باطل کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس کی سیادت و فرمانروائی پر راضی ہو چکا ہو تو ظاہر

ہے کہ باطل اپنے زور اور زر دونوں ذرائع سے ہر بستی اور معاشرے کے ہر طبقے میں سے اپنے مطلب کے آدمی برآمد کر لیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ باطل کا غلبہ ہر طبقہ کو نقطۂ اعتدال سے ہٹا دیتا ہے۔ چونکہ باطل معاشرے میں بحیثیت مجموعی افراط و تفریط اور فساد پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے جب کبھی ایک اسلامی تحریک نمودار ہوتی ہے جو ہمیشہ نقطۂ اعتدال پر کھڑی ہوتی ہے اور اسی مقام سے اپنے کام کا آغاز کرتی ہے تو دنیاداروں سے لے کر مذہبی لوگوں تک ہر ایک اُسے اپنے مقام انحراف سے ہی دیکھتا ہے اور اسے اپنے سے مختلف پاکر اختلاف کرتا ہے اُس کا اپنا مقام انحراف ہی اس کا نقطۂ اختلاف بن جاتا ہے۔ اس لیے ایک تحریک کے اسلامی ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے پرانے باہمی مخالف گروہ اس کی مخالفت میں ہم آواز ہو جاتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز تضاد کھل کر بہت جلد سامنے آجاتا ہے اور اس تضاد کو دیکھ کر ہی ہر سلیم الطبع شخص تحریک اسلامی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

نظام اطاعت تحریک اسلامی میں جہاں اطاعتِ امر عبادتِ الٰہی کے دائرے میں شامل اور کارِ ثواب ہے وہاں اسے معروف کے ساتھ مشروط بھی کر دیا گیا ہے۔ اور معروف وہ ہے جو خدا اور رسولؐ کے اُحکام سے ثابت ہو۔ اس لیے اسلامی تحریک کا نظام جماعت جہاں بہترین مطیع فرمان کارکن فراہم کر لیتا ہے جو اپنی آخرت کے نقطۂ نظر سے سخت سے سخت احکام سنتے اور مانتے ہیں، وہاں ایسے باشعور کارکن بھی تیار کرتا ہے۔ جو تحریک کی قیادت کو راہِ مستقیم سے منحرف نہیں ہونے دیتے۔ آنکھیں کھول کر اس کے پورے طرزِ عمل کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور اپنے علم و فراست کی روشنی میں اسے تولتے رہتے ہیں اور جہاں اسے جادۂ معروف سے ذرا بھی ہٹتے ہوئے دیکھتے ہیں وہاں ایک طرف اُس کی اطاعت سے انکار کر دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر قائم کر دیتے ہیں۔ یہ وہ خوبی اور قوت ہے جو کسی دوسری تحریک کو حاصل نہیں ہوتی کہ رہنمائی آگے سے بھی ہوتی ہے اور نگرانی پیچھے سے بھی ہوتی ہے اور مل جل کر پوری ہوشمندی کے ساتھ نصب العین کی منزل کی طرف پیش قدمی کی جاتی ہے۔

شورائی نظام تحریک اسلامی میں سارے ہی کام مشورے سے طے کیے جاتے ہیں اور پورا نظام جماعت اس طرح مرتب کیا جاتا ہے کہ مشورے کا اہتمام نیچے سے اوپر تک برابر قائم رہتا ہے۔ اس لیے کہ مومنین کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور یہ کہ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔ چنانچہ وہ اپنے سارے معاملات ہر سطح پر مشورے سے طے کرتے ہیں، اسی میں وہ تائیدِ ربانی اور برکت محسوس کرتے ہیں، اور

مشترکہ ذمہ داری سے ہی بہترین اجتماعی نتائج برآمد ہوتے ہیں اور مل جل کر کام کرنے کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

معیار فضیلت | اس تحریک میں عام دنیوی تحریکوں کے معیاراتِ قیادت کے مقابلے میں افراد کی فضیلت اور رہنمائی کا معیار بالکل ہی مختلف ہے۔ دوسروں کے ہاں جاگیر، مال، موٹر، مکانات، شہرت، سرداری، نسل، جتھہ بندی اور اقتدار بڑائی کا معیار ہے۔ لیکن اسلامی تحریک میں یہ سارے معیار پست شمار ہوتے ہیں۔ یہاں کا معیار ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا، دین کا خادم، رسولؐ کا سچا پیروکار اور سب سے بڑھ کر ایثار و قربانی کرنے اور اس راہ میں جان کھپانے والا ہے وہی مقامِ رہنمائی پہ فائز ہوتا ہے اور اسی معیار سے رہنمائی کے سارے مقام پُر کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرا ہر معیار جاہلی معیار تصور ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ باطل میں بلند مناصب پہ فائز لوگوں کے لیے بالعموم فقراء کی اس تحریک کے اندر داخل ہونے میں بڑی رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور بنی بنائی شخصیتوں کے بُت راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو شخص شخصیت کے اس بت کو خود اپنے ایثار و قربانی کے گرز سے توڑ کر آگے آسکتا ہے اس کے لیے فضیلت کے راستے کھل جاتے ہیں اور جو اپنی باطل کی بنائی ہوئی شخصیت کو ہمراہ لے کر آنا چاہتا ہے وہ برسوں تحریک کے دروازے پہ ہی بیٹھا رہتا ہے اور اسے دروازے کے اندر قدم رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعیت | دنیا میں ایک اسلامی تحریک ہی واحد گروہ ہے جو مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعی نظام رکھتا ہے۔ یہاں منصب کی طلب نااہلی کی علامت اور خدا کی تائید سے محروم کر دینے والی نحوست ہے یہاں کہنی مار کر آگے بڑھنے والوں کے لیے کوئی مقام نہیں ہے۔ یہاں قربانی کرنے والوں اور بے لوث، بے غرض اور بے نفس لوگوں کی قدر و قیمت ہے۔ یہاں مسجد میں خدا کے حضور صف بندی کا ماحول ہے۔ جو پہلے آیا پاکیزگی قلب سے آیا وہ آگے کھڑا ہوگا۔ جو بعد میں آیا پیچھے ہوگا۔ پھر اپنی انہی صفات کے زور سے ترقی کر کے وہ تحریک کی سربراہی کے مقام تک بھی پہنچ سکتا ہے یہاں وہ شخص سب سے زیادہ غیر موزوں اور تحریک کی روح کو برباد کر دینے والا ہے جو منصب کی طلب رکھے۔ یہاں کا ماحول گروہ بندی جتھہ بندی اور جوڑ توڑ سے پاک صاف ماحول ہوتا ہے۔ اور ایسی فضا کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا۔

تحریک کا رہنما کردار | تحریک اسلامی میں محض چرب زبانی، کھوکھلے وعدوں اور دعووں سے کام نہیں چلتا بلکہ ٹھوس کام مطلوب ہوتا ہے۔ اُس کا رہنما کردار ہمیشہ عزیمت کا پیکر ہوتا ہے اور اس کی نگاہ اپنے بلند ترین نصب العین کے حصول پر جمی رہتی ہے۔ درمیانی مراحل کی کوئی مصیبت یا کسی دنیوی منصب کا لالچ نہ اُسے اپنے

مقامِ عزیمت سے ہٹا سکتا ہے اور نہ الجھا سکتا ہے۔ حضورؐ کے پاس قریش کا وفد اقتدار، زر، اور زن کی پیش کش لے کر آتا ہے تو یہ جواب پاتا ہے:

"اگر تم میرے ایک ہاتھ پہ چاند اور دوسرے پر سورج بھی لا کر رکھ دو تو میں اس کام سے باز نہ آؤں گا یا یہ کام تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اس راہ میں کھپ جائے گی"۔

تحریک مجاہدین کا رہنما ان الفاظ میں اپنی بے لوث فداکاری کا اظہار کرتا ہے۔

"میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرتِ دین کا دور شروع ہوگا اور خدا کے سرکشوں کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانۂ مراد پر جا بیٹھے گا۔ میں نے خدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لیے ہیں۔ خدا کے سوا کسی کی جستجو اور خوشنودی کی طلب نہیں رہی۔ تاجِ فریدوں اور تختِ سکندر میری نظروں میں جو کے برابر بھی نہیں ہیں۔ صرف یہ آرزو ہے کہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العالمین کے احکام جاری ہو جائیں"۔

موجودہ دور کی تحریک اسلامی کا داعی یہ کہتا ہے:

"میرے لیے تو یہ تحریک عین مقصدِ زندگی ہے۔ میرا مرنا اور جینا اس کے لیے ہے۔ کوئی اس راہ پر چلنے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو بہر حال مجھے تو اسی راہ پر چلنا اور اسی راہ میں جان دینا ہے۔ کوئی آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا۔ کوئی ساتھ نہ دے گا تو اکیلا چلوں گا۔ ساری دنیا متحد ہو کر مخالفت کرے گی تو مجھے تن تنہا اس سے لڑنے میں بھی باک نہ ہوگا"۔

تحریکِ اسلامی ایک نظامِ اخوت

ہر اسلامی تحریک اپنے اندر ایک ایسا نظامِ اخوت رکھتی ہے جو اس کے پیروؤں کو ایک مضبوط بھائی چارے میں پرو کر بنیان مرصوص بنا دیتا ہے۔ باہم ایک دوسرے پر سلامتی اور رحمت بھیجنے کا معمول، ایک دوسرے کے چھینکنے پر رحمت کی دعا، باہمی دعوتیں دینا اور انہیں قبول کرنے کا اہتمام، بیماری میں ایک دوسرے کی عیادت اور غمخواری، جنازے میں شرکت کا التزام، ایک دوسرے کے لیے آئینہ کی مانند ہونا اور اس کے عیبوں سے اسے پوری ہمدردی اور محبت سے آگاہ کر کے اس میں خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنا، ایک دوسرے کے نقصان کو رفع کرنا۔ بہترین مخلصانہ مشورہ دینا۔ کسی کی غیر حاضری میں اس کے گھر کی حفاظت اور اس کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنا۔ اپنے ہمسایوں کے حقوق کا لحاظ کرنا اور ان کی پوری

پوری نگہداشت کرنا۔ اس کے مقابلے میں دوسری تحریکیں مادی مسابقت، مناصب کی کشمکش اور باہمی بے تعلقی اور بے نیازی پر مبنی ہوتی ہیں اور ان کے کارکنوں سے لے کر رہنماؤں تک، کسی میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخلصانہ تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تحریک ایک بدترین خود غرضانہ ماحول کے درمیان رہتے ہوئے بھی اپنے جماعتی نظام میں ایک ایسا برادرانہ خوشگوار ماحول پیدا کر دیتی ہے جو پیاسوں کے لیے چشمے کی مانند ٹھنڈا اور تپتے صحراؤں میں سایہ دار درخت کی مانند خنک، پرسکون اور روح افزا ہوتا ہے۔

تحریک کا طریق کار اسلامی تحریک کا طریق کار پُرامن جمہوری غیر خفیہ اور تدریجی ہوتا ہے۔ وہ معاشرے میں فساد برپا نہیں کرتی بلکہ فساد کو اصلاح سے بدلتی ہے۔ وہ عوام کو تبلیغ و تلقین سے اپنے نصب العین کی طرف بلاتی ہے اور معاشرے کے آئینی اور قانونی ڈھانچے کے اندر رہ کر علانیہ اصلاح کی دعوت دیتی ہے۔ اس میں جبر و تشدد کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ ایک ایک سوال اور اعتراض کا جواب دیا جاتا اور ہر شبہے کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ وہ ذہنوں کو مطمئن کر کے دلوں کو اپیل کرتی ہے۔ اس کا سارا کام معاشرے کی جمہوری سطح پر غیر خفیہ انداز میں کھلم کھلا انجام پاتا ہے۔ اس میں سازش کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ یہ جمہوری اور دعوتی عمل تدریج سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ افہام و تفہیم سے آئے ہوئے لوگ اپنے پورے اطمینانِ دل و دماغ کے ساتھ آتے ہیں اور پوری صلاحیتیں اور قوتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اسی طریقِ کار کا نتیجہ ہے کہ عرب میں جب یہ تحریک اپنی ۲۳ سالہ جدوجہد کے نتیجے میں اسلامی انقلاب لائی تو اس ساری انقلابی جدوجہد کے دوران دوطرفہ جنگی کشمکشوں میں کام آنے والے افراد کی تعداد تاریخ کے ریکارڈ کی رو سے ۱۲۰۰ سے زائد نہیں ہے جبکہ فساد، جبر و تشدد اور خفیہ سازشوں کے ذریعے فوری تبدیلی لانے کی کوشش نے انقلابِ فرانس میں بیس پچیس لاکھ سے زائد افراد کی جان لی اور روس کے طبقاتی اشتراکی انقلاب میں تو ۵۰ لاکھ سے زائد سروں کی فصل اس طرح کٹی کہ شاید پوری انسانیت کی تاریخ میں ایسا خونی انقلاب کبھی نہ آیا ہوگا۔ اور اب بھی جہاں اشتراکیت آئے گی اپنے ساتھ خون خرابہ لائے گی

قوت کا سرچشمہ تحریک اسلامی کی قوت کا سرچشمہ مادی تحریکوں کے مقابلے میں تین گنا ہوتا ہے۔ تحریک کی مادی قوت جو افراد کے ساتھ فراہم ہوتی ہے۔ اس کی اخلاقی قوت جو اس کے شریفانہ باوقار اور پابندِ اخلاق طریقِ کار کے سبب اور کارکنوں کے صالح اور پاکیزہ کردار کے ذریعے اسے حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ پر توکل اور اس کی غیبی امداد کا زبردست اعتقاد جو مومنین کے چھوٹے سے چھوٹے گروہ کو کفار کے

بڑے سے بڑے گروہ سے ٹکرا دیتا ہے اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ پوری اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ مادی بے سروسامانی کے باوجود دوسری دونوں قوتوں کا بھرپور خزانہ اس طرح اسلامی تحریک کی پشت پر ہوتا ہے کہ اس کی قوت میدانِ عمل میں کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

مثالی ریاست کا تصور تحریک اسلامی کی مثالی ریاست قانون کے سامنے مساوات پر شدت کے ساتھ زور دیتی ہے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست میں حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عمرؓ فاروق خلیفۃ المومنین کا مقدمہ عدالت میں جاتا ہے۔ اول تو دنیا کے لیے یہ بھی حیران کن خبر ہے کہ صدرِ ریاست ایک عام شہری کے خلاف مدعی بن کر عدالت میں جاتا ہے۔ اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کسی شہری سے اپنا حق خود وصول نہیں کر لیتا بلکہ قانونی طریق سے عدالتی چارہ جوئی کرتا ہے۔ عدالت کا جج (حضرت زید بن ثابت) خلیفۂ راشد کے احترام میں اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ بس یہی بات خلیفۃ المسلمین کی گرفت کے لیے کافی ہے۔ وہ کہتے ہیں "زید یہ پہلی بے انصافی ہے جو تم نے میرے معاملے میں میرے فریقِ مخالف کے ساتھ کی ہے"۔ ترقی کے اس دور میں بھی آج دنیا کی ساری سلطنتوں کے سربراہ قانونی چارہ جوئی اور عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن اسلامی ریاست کا سربراہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں حالتوں میں حاضرِ عدالت ہونے کا پابند ہے اور شہریوں کے درمیان قانون کی نظر میں وہ برابر ہے۔

شہری حقوق کی پاسبانی میں اسلامی ریاست کے صدر کی پالیسی بہت واضح ہے۔

خلیفہ منتخب ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ صدیق شہریوں کے ایک اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول نہ کر لوں اور تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اس کا حق نہ اسے دلوا دوں"۔

اسلامی ریاست کے صدر مملکت کا معیار زندگی حضرت عمرؓ نے خود ہی بتایا ہے:

"میں خود بتاتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کے بیت المال سے کتنا لینا چاہیے۔ دو جوڑے کپڑے گرمی اور سردی کے لیے۔ سواری۔ متوسط گھرانے کے گھریلو اخراجات اور ایک ملازم، بس پھر میرا حال وہی ہے جو عام مسلمان کا ہے"۔

حالانکہ ترقی کے اس دور میں جب مساوات کے نعرے اور انسانی حقوق کے بلند بانگ دعووں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ انگلستان کا بادشاہ بہتر لاکھ پچاس ہزار پونڈ سالانہ کے علاوہ اور بہت سے

دوسرے الاؤنس بھی حاصل کرتا ہے اور پھر بھی مزید اضافے کے لیے تجاویز بھیجتا رہتا ہے۔ اور امریکہ کا صدر سات کروڑ ڈالر سالانہ میں بھی گزارہ نہیں کر سکتا۔

مقصدِ اقتدار اسلامی تحریک کے لیے اقتدار تک پہنچنے کا جو مقصد خود اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے وہ یہ ہے الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی اسلامی تحریک کے علمبردار وہ لوگ ہیں جنہیں اگر زمین میں اقتدار نصیب ہو تو وہ اللہ کا نظامِ عبودیت قائم کرتے ہیں جس کا بہترین نمونہ نماز ہے۔ وہ اللہ کا دیا ہوا معاشی انصاف کا نظام قائم کرتے ہیں جس کا بہترین نمونہ زکوٰۃ ہے۔ جہاں سود کے ذریعے مال غریبوں سے امیروں کی جیبوں تک نیچے سے اوپر نہیں کھینچا جاتا جس سے معاشرے کی جڑیں ہی خشک ہو کر رہ جائیں بلکہ زکوٰۃ کے ذریعے مالداروں سے غریبوں کی طرف اوپر سے نیچے اترتا ہے۔ وہ معاشرت و سیاست میں نیکی کی عملداری اور معروف کی برتری قائم کرتے ہیں اور برائی کا استیصال کر دیتے ہیں۔ یہ وہ نظام ہوتا ہے جس میں جاہلی تعصبات، علاقائی عصبیتوں، نفسانی فتنوں اور مفادات کے جھگڑوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اقتدار کی قوت زندگی کے ہر گوشے میں برائی کی مزاحمت کرتی، اس کی پرورش کو روکتی، اس کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرتی، اور اس کے امکانات کا خاتمہ کرتی ہے اور نیکی اور بھلائی کی پرورش میں اپنے سارے وسائل اور تمام تعلیمی تربیتی انتظامی اور قانونی اداروں کو لگا کر اسے معاشرے میں ایک قابلِ قدر اور قابلِ فخر شے بناتی ہے۔

مخالفتوں میں طرزِ عمل اسلامی تحریک کا اپنے مخالفین کے مقابلے میں بھی دنیا بھر سے انوکھا طرزِ عمل ہوتا ہے اور بالعموم یہ طرزِ عمل ہی لوگوں کے لیے اُس کی شناخت کا بہترین ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کے مخالفین اسے بدنام کرنے کے لیے الزامات، اتہامات، جھوٹ، افترا اور گالی گلوچ کا طوفان کھڑا کرتے ہیں، اور اس سارے گرد و غبار میں اس کی شرافت، اُس کا کردار اور اس کا عالی ظرفانہ طرزِ عمل اس کے چہرے کی چمک کو اور زیادہ نکھارتا چلا جاتا ہے۔

حضورؐ کا طرزِ عمل ہمیشہ صبر و شکر کا رہا۔ طائف میں بدترین ظلم و ستم کے مقابل بھی لبوں پہ دعائے رحمت ہی رہی۔ ظلم کی انتہا دیکھ کر پہاڑوں کے فرشتے نے اذنِ الٰہی سے پیش کش کی کہ اس بستی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے تو رحمۃ للعالمین نے زخمی اور مضمحل حالت میں بھی یہی فرمایا کہ "نہیں، شاید یہ نہیں تو ان کی اولادیں ہی اللہ پہ ایمان لے آئیں"۔

حضورؐ ہی کے اُمتی اسلامی تحریک کے ایک علمبردار نے اپنے بد ترین مخالفین کے روزمرہ ظلم و زیادتی کو دیکھ کر ہمارے اپنے دور میں اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:

"آپ کسی حال میں مشتعل نہ ہوں۔ اپنی زبان اور مزاج پر قابو رکھیں اور جب کبھی اشتعال کی کیفیت ابھرتی محسوس کریں تو اسے نزغِ شیطانی سمجھ کر اللہ کی پناہ مانگیں۔ سخت سے سخت بیہودہ مخالفت میں بھی آپ حدود اللہ سے تجاوز نہ کریں۔ ہر لفظ جو آپ کی زبان سے یا قلم سے نکلے اس پہ خوب سوچ لیں کہ وہ خلافِ حق تو نہیں ہے اور آپ اس کا حساب خدا کے ہاں دے سکیں گے۔ آپ کے مخالفین خدا سے ڈریں یا نہ ڈریں آپ کو بہرحال اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔"

تشدد کے مقابلے میں یہ تحریک ہمیشہ پُرعزیمت اور مضبوط، مخالفتوں کے طوفان کے مقابلہ میں ایک منظم اور بااصول گروہ، حملہ آوروں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار، خوف و ہراس کی حالت میں نڈر اور بے خوف اور لوہے کے چنے کی مانند دندان شکن اور مخالفِ اسلام قوتوں کے مقابلے میں ناقابلِ شکست قلعہ ہوتی ہے جسے اپنے مقام سے نہ ہٹایا جا سکتا ہے اور نہ گرایا جا سکتا ہے۔

تنظیم کے چند بنیادی اصول اسلامی تحریک کی تنظیم کے چند بنیادی اصول ہیں جو اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ تحریک کے اندر رواں دواں رہتے ہیں اور ان کی موجودگی میں تحریک ایک فعال اور صحت مند اجتماعی ادارہ بن جاتی ہے جو اپنی منزل کی طرف مسلسل اقدام کرتی رہتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلا اصول سمع و اطاعت ہے۔ یہاں جو شخص بھی کسی ذمہ داری کے منصب پر فائز ہو وہ اپنے ساتھیوں کو خدا سے ڈرتے ہوئے حکم دیتا ہے اور ساتھی بھی اسے کارِ ثواب سمجھتے ہوئے ہی بجا لاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا اصول شورائیت ہے جس کے ذریعے مشورے کا اہتمام و انتظام تحریک کے ہر گوشے میں ہر سطح پر کیا جاتا ہے تاکہ اجتماعی ذمہ داری کا کام اجتماعی رائے سے سرانجام پاتا رہے۔

۳۔ تیسرا اصول محاسبہ اور باہمی خیر خواہی ہے۔ ایک زندہ ہمدردانہ اور صحت مند رجحانِ تنقید جو تحریک کی صحت کو بحال رکھتا ہے اور اس کے تمام کارکنوں کو خوب سے خوب تر کی طرف کھینچتا رہتا ہے۔

۴۔ چوتھا اصول باہمی محبت و اخوت و تعاون ہے جو اسلامی تحریک کی جان ہے جس کی مدد سے غیر اپنے اور مخالف دوست بن جاتے ہیں اور انفرادی قوت ہزاروں ساتھیوں کی قوت کے ساتھ مل کر ضربِ کلیمی

بن جاتی ہے۔

۵۔ پانچواں اصول ایثار و قربانی ہے جو تحریک کے لیے، ساتھیوں کے لیے اور خدا و رسولؐ کی رضا کے لیے کی جاتی ہے اور اس کی مقدار ہی ایک کارکن کے خلوص کا پیمانہ بن جاتی ہے۔

۶۔ چھٹا اصول اکثریت کے مقابلے میں انفرادی رائے کی قربانی ہے۔ اس سے اظہار رائے کی وہ آزادی برقرار رہتی ہے جو سب سے قیمتی چیز ہے مسائل طے کرنے میں سارے دلائل سامنے آجاتے ہیں جو رائے قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ لیکن رکاوٹ کا باعث کوئی فرد نہیں بنتا۔ کیونکہ حق صرف کتاب و سنت میں پوشیدہ ہے اور تدابیر میں اجتماعی رائے ہی مسلّمہ سیدھا راستہ ہے۔

۷۔ ساتواں اصول باہمی عفو و درگزر اور وسعت قلبی ہے جس سے دوسروں کی کمزوریوں سے چشم پوشی اور دوسروں کی خوبیوں سے استفادے کا راستہ کھل جاتا ہے اور لوگ دوسروں کی غلطیاں چن چن کر مقدمہ تیار کرنے کے بجائے اپنی اپنی غلطیوں کی اصلاح پر لگ جاتے ہیں جس سے ساری تحریک میں اصلاح کا عمل کارفرما رہتا ہے اور بغض و حسد تو تکار اور تنگدلی کے جذبات سے ماحول پاک صاف رہتا ہے۔

ان اصولوں کی مدد سے تحریک اسلامی کی تنظیم ایک زندہ و متحرک، تندرست و توانا، مضبوط درخت کی طرح ہوتی ہے جس کی جڑ مضبوط، جس کا تنا سربلند، جس کی شاخیں گھنی، جس کا سایہ خنک اور جس کا پھل خوشگوار ہوتا ہے اور وہ اپنے پرورش کرنے والوں کے لیے سراسر رحمت و برکت اور منافع کا کام ہوتا ہے۔

اسلامی تحریک کی چند بیماریاں اور ان کا علاج دنیا میں پائی جانے والی ہر چیز میں زوال و انحطاط کا عمل بھی پایا جاتا ہے جو مختلف کمزوریوں اور بیماریوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ان کا بروقت تدارک کر لیا جائے تو صحت برقرار رہتی ہے۔ اسلامی تحریک بھی اپنے مزاج کے اعتبار سے چند بیماریوں کی شکار ہو سکتی ہے اور اگر وہ زور پکڑ جائیں تو وہ تباہی و ہلاکت سے بھی دوچار ہو جاتی ہے۔ اس کی بیماریوں میں چند ایک کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔

۱۔ سب سے پہلی بدنظمی ہے۔ بالعموم یہ بیماری تحریک میں اس وقت داخل ہوتی ہے جب افراد میں سمع و اطاعت کی جگہ نفس کی سرکشی زور پکڑنے لگتی ہے اور بعض افراد کا نفسِ متکبر کسی اجتماعی حکم کو اپنے اوپر تازیانے کی چوٹ کی مانند محسوس کرتا ہے اور حمیت ایمانی کی جگہ کوئی جاہلی عصبیت دل میں جھانکنے لگتی ہے اس بیماری کا فوری علاج انفرادی اور اجتماعی محاسبہ ہے۔ محاسبے کے بغیر چھپا ہوا چور برآمد نہیں ہوتا اور اندر

ہی اندر نفسِ انسانی میں نقب لگاتا رہتا ہے یہاں تک کہ بد تر نتائج تک جا پہنچتا ہے۔

۲۔ دوسری بیماری قنوطیت ہے جو کسی کارکن میں عزم وارادے کی کمزوری سے نمودار ہوتی ہے۔ جب راہِ حق کی مشکلات، سفر کی طوالت، اور منزل کی بظاہر دوری اور نظروں سے اس کا اوجھل ہونا کسی کارکن کو تھکا دیتا ہے تو وہ آگے بڑھنے کے بجائے تھک ہار کر مایوسی کی باتیں کرنے لگتا ہے قنوطیت شیطان کی وہ تلوار ہے جس سے وہ تھکے ماندے مومنین کے دلوں کو مجروح کر کے انہیں منزل کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے اور بیٹھ رہنے یا واپس مڑ جانے پہ آمادہ کرتا ہے۔ اس کا علاج پیہم اور مسلسل تحریکی کام ہے۔ ساتھیوں کی رفاقت، ان کی باتیں ان کے عزائم اور صحابہؓ کرام کی پر صعوبت زندگیوں کا مطالعہ ہے۔

۳۔ تیسری بیماری خوف و ہراس ہے۔ یہ ضعفِ ایمانی کے باعث لاحق ہوتی ہے، جبر و تشدد کے ماحول میں پرورش پاتی ہے اور ملوکیت و آمریت کے سناٹے میں آکاس بیل کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اس کا تریاق پوری قوتِ ایمانی سے کلمۂ حق کو بلند کرنا اور اذانِ دعوتِ حق سے اس سناٹے کو توڑنا اور جو کچھ بھی راہِ حق میں پیش آئے اسے جھیل جانا ہے۔

۴۔ چوتھی بیماری بے حسی ہے جو کام کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی آدمی کو حرکت میں نہیں آنے دیتی اور خطرے کو سر پر دیکھ کر بھی اپنے آپ کو بچانے کے احساس سے محروم کر دیتی ہے۔ اس کا سبب نفسِ انسانی میں اسلامی شعور کی کمی، آخرت کی جوابدہی کے احساس کی کمی، اور دینی فہم و بصیرت کی کمی ہوتا ہے۔ اس کا علاج کارکنوں کی تربیت، مقصدِ جماعت اور افکارِ جماعت کی پیہم تذکیر، تنظیم کی کمزوریوں کو رفع کر کے اسے خوب کستے رہنا، اور معاشرے کے سارے گوشوں کو دعوتِ حق سے سیراب کرنے کے لیے دعوتِ عام کا ایسا منصوبہ بنانا ہے جس سے ہر کارکن اس میں مصروف ہو جائے۔ اس طرح معاشرے کا جمود بھی ٹوٹے گا اور کارکن کا شعور بھی بیدار ہو گا۔

۵۔ پانچویں بیماری عصبیتِ ایمانی کی کمی ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں جب چاروں طرف معیارِ زندگی بلند کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے اس بیماری کا عام وبا کی شکل اختیار کر لینا ایک فطری امر ہے۔ اس کا سبب حبِ مال اور اشیاء دنیا کی چاہت اور طلب ہے۔ اس کا حقیقی علاج تو صدقہ و انفاق میں اضافہ کرنا ہے۔ جس قدر صدقہ دیا جائے طلبِ مال اور معیارِ زندگی کے بلند کرنے کی حرص پہ چوٹ لگتی ہے۔

اور قناعت کی طرف طبیعت راغب ہوتی ہے۔ اس کے لیے قرآن کی آیاتِ قیامت، احادیث میں باب الرقاق اور صحابہؓ کی پرعزیمت زندگیوں کا مطالعہ بھی مفید ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے تحریک کے ذمہ دار لوگوں کا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ دیکھتے رہیں کہ اس وقت تحریک میں کن کن امراض کا خطرہ پایا جاتا ہے۔ ان کی نشان دہی اور ان کا تدارک کرتے رہنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔

۶- چھٹی بیماری۔ حسد۔ سوءظن اور پھر غیبت ہے۔ جو اخلاقی ماحول میں چپکے چپکے پرورش پاتی ہے اور تنظیم کو گھن کی طرح اندر سے کھاتی چلی جاتی ہے۔ اس سے دل پھٹ جاتے ہیں۔ اس کا علاج بھی محاسبہ اور اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھ کر محاسبۂ نفس ہے۔

کارکنوں کی صفات اسلامی تحریک کے کارکنوں میں بعض صفات کا پایا جانا اشد ضروری ہے ورنہ وہ اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتے جس کے لیے اسلامی تحریک برپا ہوتی ہے۔ میں تفصیلی صفات کو نظرانداز کرکے اختصار کے ساتھ صرف چند مجمل صفات کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں۔

۱- سب سے پہلی صفت محبتِ دین ہے۔ اس میں کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر خود اس بات کا جائزہ لیتا رہے کہ اسے دین اور اس کی سربلندی دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبوب و عزیز ہو۔ اس کے دل میں ایک میزانِ عدل نصب ہو جس میں وقتاً فوقتاً وہ اپنی محبت و انس کی دعویدار ہر شے کو نکال کر تولتا رہے کہ اس کا وزن دین کے مقابلے میں کتنا ہے۔ جس شے کو ذرا بھی دین سے بڑھتے ہوئے محسوس کرے اس کے پیچھے پڑ کر بھی اسے دین کے مقابلے میں پست کرے۔ اس تول میں کوئی فرد، کوئی ہستی اور کوئی شے بھی نہ چھوڑی جائے جو بھی محبت کا دعویدار بن کر اٹھے اسے اس ترازو میں ڈالا جائے تاکہ وہ اپنے حقیقی مقام پر رہے۔ یہ کام وقتاً فوقتاً ہوتا رہے اور دین کے مقابلے میں ہر دنیوی شے کی محبت کو پست رکھنے کا اہتمام جاری رہے۔

۲- دوسری صفت معرفتِ دین ہے۔ یعنی جس شے سے محبت ہے اس کی شناخت اور پہچان، قرآن و سنت کا علم اور اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے طرزِ عمل اور کردار سے آگاہی۔ اس معرفت کا مثبت پہلو دین کو ہمہ پہلو جاننا بھی ہے اور اس کا منفی پہلو خلافِ دین فکری تحریکوں اور ان کی تفصیلات سے آگاہی بھی ہے تاکہ ایک طرف تحریک کا کارکن دین کی صراطِ مستقیم سے آگاہ ہو اور دوسری طرف دین سے دور لے جانے والے فکری اور عملی راستوں سے بھی آگاہ رہے اور دھوکا نہ کھا سکے۔ اس معرفت کے

بغیر آدمی کی حیثیت اس رہرو کی سی ہوتی ہے جو اندھیرے میں روشنی کے بغیر چلا جا رہا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط راستے پر پڑ جائے اور پھر اپنی بے خبری میں غلط راستے پر ہی آگے نکلتا چلا جائے۔

۳۔ تیسری صفت حمیتِ دین ہے۔ یہ صفت ایک کارکن کو مجاہد بناتی ہے اور اسے دین کے لیے سینہ سپر ہونا سکھاتی ہے۔ اسے نہ دین کی رسوائی گوارا ہوتی ہے اور نہ اس کی ذلت برداشت ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی باغیرت بیٹا اپنے سفید ریش باپ کو سر بازار رسوا ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ایک باغیرت دینی کارکن اپنے دین کو بھی سر بازار رسوا اور ذلیل و خوار دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دین پر حملہ ہو تو وہ اس کا دفاع کرتا ہے۔ دین کے خلاف فتنے اٹھیں تو وہ تڑپتا ہے۔ دین کی خلاف ورزیاں ہوں تو وہ بے چین ہوتا ہے۔ دین کی جڑیں اکھاڑی جائیں تو وہ مضطرب ہوتا ہے اور دین کے ہمہ پہلو دفاع کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتا ہے۔ دین کے دشمنوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے۔ مخالفِ دین افکار و نظریات سے بھی آگاہ ہوتا ہے اور دین کے حق میں ہر ممکن فکری ہتھیار سے لیس رہتا ہے تاکہ دین کے مخالفوں سے ہر ہر عملی اور فکری مورچے پر لڑ سکے۔

۴۔ چوتھی صفت استقامت فی الدین ہے۔ یعنی دین کے راستے میں پامردی۔ استقلال اور عزیمت کا مظاہرہ۔ یہ راستہ کٹھن بھی ہے اور دشوار گزار بھی جسے ایک دیندار آدمی اقامتِ دین کے لیے اختیار کرتا ہے۔ دین کے راستے پر چلنا باطل کے تحت دنیا کے بہت سے مفادات سے دست برداری کے مترادف ہے۔ بہت سی دل پسند چیزوں سے محرومی ہے۔ بہت سی لذاتِ نفس سے علیحدگی ہے۔ پھر آدمی کی دنیا سے وابستہ بہت سے ہمدرد اس کی دنیوی کامیابیوں کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اور اسے جائز و ناجائز کی تشویش میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہوتے اور پریشان کرتے ہیں۔ معیارِ زندگی کی دوڑ میں مصروف اہل خانہ اندرونی تقاضوں کا اندراج کرتے ہیں۔ بیرونی دباؤ پڑتے ہیں۔ رزق کے محدود وسائل پر بھی حملے ہوتے ہیں۔ معاشرہ ناک میں دم کر دیتا ہے۔ عزیز و اقرباء کا دباؤ پڑتا ہے۔ نظامِ باطل ہر طرف سے سکیڑتا اور بھینچتا ہے اور کارکن کے لیے اپنے مقام پر پاؤں جمائے کھڑے رہنا مشکل کر دیا جاتا ہے۔ پھر باطل کے خلاف دین کی سربلندی کی جدوجہد شیطان اور اس کے ہمنواؤں کو انتہائی ناگوار ہوتی ہے۔ وہ آزمائشیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ قید و بند تک نوبت آ سکتی ہے۔ آلام کے ان سب طوفانوں میں مردانہ وار ڈٹے رہنے سے ہی وہ صفت پیدا ہوتی ہے جو دینِ

حق کی لپشت پناہی کرنے والے سپاہی کے اندر مطلوبہ صفت ہے۔ پے در پے آزمائشوں کی لہریں آتی ہیں اور مردِ حق کو پاؤں سے اکھاڑنا چاہتی ہیں لیکن دین اپنے پیروؤں سے لازماً ان قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے جو اس راہ میں مطلوب ہیں۔ یہ قربانیاں استقامت اور پامردی سے ہی دی جاسکتی ہیں۔

۵۔ پانچویں صفت مسابقت فی الدین ہے۔ دنیوی زندگی کے کسی معاملے میں بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ رشک کے ساتھ مقابلہ اور مسابقت کرنا پسندیدہ فعل نہیں ہے سوائے دین کے راستے کے، اس لیے کہ یہ خیر کا راستہ ہے اور اس راستے کے لیے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کا حکم ہے۔ حضورؐ نے جنگِ تبوک کے موقع پر مال طلب کیا تو کوئی صحابی نصف مال لے آئے اور کوئی خدا اور رسولؐ کا نام اہل خانہ کے لیے چھوڑ کر باقی سارا اثاثہ اٹھا لائے۔ نیکی کے راستے میں سبقت کرنے سے ہی تاریخ کی عزیمت مثالیں قائم ہوتی ہیں جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے جذبہ وجوش پیدا کرنے والی جذبہ انگیز مثالوں کی حیثیت سے کام دیتی رہتی ہیں۔ ایسی ہی مثالیں ہوتی ہیں جو صدقہ جاریہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں اور انہیں دیکھ دیکھ کر نیکی و ایثار و قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے پرجوش جذبات بھڑکتے رہتے اور راہِ حق کو درخشاں نمونوں سے پر رونق بناتے رہتے ہیں یہی تو ایک راہ ہے جس میں مومن کا مومن سے مقابلہ ہونا چاہیے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرنی چاہیے اور جو جس قدر آگے بڑھ جاتا ہے اس میں اسی قدر ایک اعلیٰ کارکن کی صفت نمودار ہوتی ہے اور قافلہ تحریک میں اس کا مرتبہ اسی قدر بلند ہو جاتا ہے۔

واحد کامیاب تحریک تاریخ کے اسٹیج پر ان خدوخال اور نشان ہائے شناخت کے ساتھ نمودار ہونے والی اسلامی تحریک کبھی ناکام نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ انسانیت کی فلاح کا راستہ ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی مخصوص قوم فلاح کا راستہ پانے میں ناکام ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنی بے بصیرتی سے روشنی کا مینار دیکھ نہ سکیں۔ لیکن یہ دراصل اس قوم کی ناکامی ہے۔ جو اسلامی تحریک کی راہِ فلاح کو پا نہیں سکتی اور تاریخ کی شاہراہ پر بدقسمتی کے دھکے کھاتی چلی جاتی ہے۔ ورنہ اسلامی تحریک کے لیے تو صرف کامیابی ہی مقدر ہے اس کی کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ ایک بے لوث اور بے غرض جدوجہد ہوتی ہے جس میں پیشِ نظر رضائے الٰہی کے حصول کے سوا اور کوئی دنیوی مفاد نہیں ہوتا، جبکہ دوسری تحریکوں کے پیشِ نظر نفسانی خواہشات، عہدہ و منصب اور خواہشِ اقتدار ہوتی ہے۔ اس کی کامیابی کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ یہ بگاڑ کے بجائے اصلاح کی تحریک ہوتی ہے اور فطرتِ انسانی بگاڑ کے بجائے اصلاح کو ہمیشہ پسند کرتی ہے۔ اور اس کام میں تعاون کرنا کارِ خیر

سمجھتی ہے۔ تیسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسری تحریکیں صرف مادی اسباب پر بھروسہ کرتی ہیں جیسے قریش کو تھا، لیکن اسلامی تحریک اللہ کی غیبی مدد پر بھروسہ کرتی ہے جو اس کی اخلاقی و روحانی قوت میں زبردست تقویت کا باعث ہوتا ہے جیسے اصحاب بدر کو تھا۔ وہ اپنے محدود سروسامان کے ساتھ میدان میں نکل آئے تھے اور باقی جو کچھ کمی تھی اسے پُر کرنے کے لیے دستِ قدرت کے حوالہ کر دیا تھا۔ ایسا ہی موقع ہوتا ہے جب مومنین کی پشت پر ایک زبردست ہاتھ ان کی ڈھال بن کر نمودار ہوتا ہے جو باطل کی کمر توڑ دیتا ہے اور خدا کی آواز پکار کر مومنین سے کہتی ہے:

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

سُست نہ پڑو۔ غم نہ کھاؤ۔ تمہی غالب ہو گے اگر تم مومن ہو۔

تحریکِ اسلامی کو پہچاننے اور شناخت کرنے کے لیے میں نے اس کے یہ چند خدوخال درج کر دیے ہیں تاکہ جاننے والے تو جانتے ہی ہیں، نہ جاننے والے بھی جان لیں کہ جب تحریکِ اسلامی کسی معاشرے میں موجود ہوتی ہے تو اسے پہچاننا اور اپنے ایمان کے تقاضوں کے مطابق اس کے ساتھ تعاون کرنا مومنین کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔

- سرزمین مسجد اقصیٰ کی دلخراش تاریخ
- عربوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کی داستان
- فلسطین پر یہودی کیسے قابض ہوئے؟
- یہودی جارحیت کی قدیم تاریخ اور جدید سازش
- ہرزل، وائزمین، لارڈ بلفور اور مجلسِ اقوام کی ریشہ دوانیوں کی تفصیل
- مزعومہ اسرائیلی ریاست کے حدود
- اسرائیلی ریاست کے قیام اور توسیع کا مدلل جائزہ
- آزادیٔ فلسطین اور یہودیوں کی سرکوبی کے لیے صحیح لائحہ عمل

ترتیب: مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت فی کاپی ۴۰ پیسے

پچاس پیسے کے ٹکٹ بھیجکر "سانحہ مسجد اقصیٰ" منگوا کر مطالعہ کیجیے۔

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور